بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

تعلیم وزبان کے دو جلسے

دسمبر کے ختم پر ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم اور زبان کے دو اہم جلسے ہوئے۔ ایک جلسہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا تھا جو کلکتہ میں ۲۹ سے ۳۱ تک نواب کمال یار جنگ بہادر کی زیر صدارت منعقد ہوا اس جلسہ کو اس اعتبار سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ یہ مسلمانانِ ہند کی سب سے پرانی انجمن کا باونواں جلسہ تھا۔ دوسرا جلسہ جو مسلمانوں کی زبان سے متعلق ہے۔ انجمن ترقی اُردو کا "کل ہند" اجلاس ہے جو دہلی میں ۲۷، ۳۰ کو نواب مہدی یار جنگ بہادر کی زیر صدارت انجام پایا۔

اس وقت مسلمانانِ ہند موت وحیات کی جس دردناک کشمکش سے گذر رہے ہیں اور اُن پر کہیں جمود محض کہیں بے راہ روی۔ اور کہیں عاقبت نااندیشانہ جوشِ جنوں طاری ہے۔ ان سب کا تقاضا ہو کہ ہمارا عزار باب حل وعقد پورے غور وفکر سے کام لے کر تمام قوم کے لیے ایسی مختلف تدابیر سوچیں جو اُن کو زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی اور اصلاح کی طرف لیجائیں۔ اور پھر صرف اسی پر کفایت کرکے نہ بیٹھ جائیں بلکہ ضرورت ہے کہ جو کچھ کہیں اُسے کرکے دکھائیں۔ جو تجاویز پاس کریں انہیں عمل میں لائیں۔ اب وقت سہل انگاری اور تساہل کا نہیں ہے۔ تغافل لاکھ التفات آمیز سہی لیکن برسوں کا مریضِ غمِ عشق اُسے برداشت نہیں کرسکتا اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہے۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائینگے ہم تم کو خبر ہونے تک

حقیقت بہرحال حقیقت ہے، وہ نگاہوں سے خواہ کتنے ہی عرصہ تک مخفی رہے لیکن چار و ناچار کبھی نہ کبھی اُس کا اظہار زبان سے ہو ہی جاتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جبکہ تعلیم کا مقصد صرف ملازمتوں کا حاصل کرنا اور انگریز کی برابر کرسی پر بیٹھنے کی صلاحیت واہلیت پیدا کرنا تھا۔ اسی بناپر اس تعلیم کو صرف امیروں یا متوسط لوگوں کے طبقہ تک محدود رکھا گیا تھا۔ اخراجات اس قدر تھے کہ غریب آدمی اپنے بچوں کو تعلیم دلا ہی نہیں سکتے تھے۔ پھر مذہب اور معاشرت اور زبان کو تعلیم سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔ بلکہ انگریزی تعلیم سے دماغ میں جو "روشنی" یا آزادی پیدا ہوجاتی تھی وہ ان تینوں چیزوں سے ہی متنفر کردیتی تھی۔ یہاں تک کہ مسلمان برائے نام مسلمان رہ جاتا تھا۔ اسلامی طریق بود و ماند اُس کی نظر میں حقیر، مذہبی روایات اُس کے نزدیک مجموعۂ خرافات، اور دینی اعمال و افعال اُس کی نگاہ میں احمقانہ حرکات تھیں لیکن اب اقلیت و اکثریت کے تنازع للبقا نے ایک مدت کے خواب گراں کے بعد آنکھیں کھولدی ہیں۔ اور آپ حیرت کے ساتھ سُنینگے کہ آج سیاسی اور تعلیمی پلیٹ فارموں پر بھی وہی وعظ ہوتا ہے جو مولوی مسجدوں میں کہا کرتے تھے۔ اب ذکر نیوٹن یا مل کی تھیوری کا نہیں ہوتا جس کو مولانا شبلی نے اپنے مشہور قصیدہ

اگرہ پرسی چہ کسانیم وچہ ساماں داریم ✣ آنچہ باہیچ نیرزد بجہاں آں داریم

میں علیگڈھ یونیورسٹی کی خصوصیت بتایا ہے۔ اب مسجد کے ممبروں پر نہیں، بلکہ کرسیوں اور صوفوں پر کسی تا بہ سُنت ریش" رکھنے والے عالم کی زبان سے نہیں، بلکہ غیرطبعی آئینہ تمثال" رخسار رکھنے والے صاحب بہادروں کی زبان سے وہی مذہب، معاشرت، کلچر، اور اسلامی انفرادیت کا ذکر سُنینگے جو کسی زمانہ میں غریب اور

دقیانوسی مولوی کے بیان و وعظ کی خصوصیت تھی۔

مثال کے لیے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے باونویں اجلاس کلکتہ کی روداد پڑھ جائیے آپ کو ہمارے دعوے کی حرف بحرف تصدیق ہو جائیگی۔ اس اجلاس کے صدر نواب کمال یار جنگ بہادر نے اپنا خطبہ جو ٹائپ کے چھ صفحوں پر ہے۔ انگریزی زبان میں پڑھا خطبہ کی زبان انگریزی بھی لیکن اس کی روح انگریزی نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مسلمان بحیثیت ایک قوم کے اُن تعلیمی اسکیموں سے مطمئن نہیں ہیں جو گذشتہ عہد میں ملک کے مختلف گوشوں سے پیش کی جا چکی ہیں، یہاں اُن میں سے کسی ایک کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ لیکن ایک بات جس کی نسبت مجھ کو یقین ہے یہاں بیان کردینی ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ موجودہ سخت ترین دور میں ہم کسی ایسی تعلیمی اسکیم کو قبول نہیں کرسکتے جو ہم میں اسلامی اصول و کلچر کے دائرہ میں رہتے ہوئے دماغی بیداری پیدا نہ کرے۔ محترم صدر نے یہ ہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ترقی فرمایا "اسلام کے کلچر کا اپنا مدعا یہ ہے کہ وہ انسانیت کو عروج دے" اور اسلام صرف کسی ایک خاص خیال کے پابند ہونے کا ہی نہیں بلکہ وہ ایک منظم اجتماعی زندگی کا نام ہے"۔

خطبۂ صدارت کے صفحہ ۴ پر ارشاد ہوتا ہے۔

"دو ابتدائی مقصد ہیں جو مسلمانوں کی ہر تعلیمی اسکیم میں لازمی طور پر پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) مسلم کلچر کی امتیازی خصوصیات کی حفاظت و بقا۔

(۲) مسلمانوں کے معاشرتی نظام کی پختگی اور مضبوطی۔

جناب صدر نے یہ بھی کہا ہے کہ کوئی قوم اُس وقت تک صحیح معنی میں تعلیم یافتہ نہیں کہلا سکتی جب تک اُس کے عوام میں تعلیم عام چرچا نہ ہو۔ اور تعلیم کی وجہ سے ان کی اقتصادی حالت خوشگوار

نہ ہو گئی ہو۔

آپ نے یہ جو کچھ فرمایا اُس کی واقعیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ عربی کا ایک مصرع ہے "عند الشدائد تذہب الاحقاد" اس لیے یہاں اس شکایت کا بھی موقع نہیں ہے کہ انگریزی تعلیم کو ہندوستانی مسلمانوں میں رائج کرتے وقت ہی اگر قومی تعلیم کے ان اساسی مقاصد کو پہلے سے پیش نظر رکھا جاتا اور انگریز کی نقالی کی غلامانہ ذہنیت کو ترک کرکے خالص قومی و ملی مفاد پر اُس کی بنیاد رکھی جاتی تو آج یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا جس نے مسلمانوں کو صحیح اسلام اور اسلامی کلچر سے بہت دور کردیا ہے۔

اب بھی وقت ہے کہ ہماری قوم کے قابل اور روشن خیال حضرات اپنے اثر و رسوخ سے کام لیں۔ اور وہ محض کہنے سننے تک اپنی کوششوں کو محدود نہ رکھیں بلکہ اپنی تجاویز کو عملی شکل بھی دیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی کلچر کے علمبردار خود اس کا نمونہ بنیں۔ پھر اسلامی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم کے نصاب میں ایسا تغیر و تبدل کریں جو طلباء کے لیے اسلامی زندگی میں علمی اور عملی دونوں اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد ہو۔ اس سے بڑھ کر ضروری یہ ہے کہ کالج میں ایسا اسلامی ماحول پیدا کیا جائے جس میں سانس لینے کے بعد خود بخود انسان اسلامی کلچر کے احترام پر اور اس پر عمل کرنے کی طرف راغب ہو۔ یہ ماحول اُس وقت تک ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا جب تک کہ وائس چانسلر سے لے کر تمام پروفیسر اور ملازمین کالج تک بود و ماند اور طریق نشست و برخاست میں سرتاسر مسلمان نہ ہوں۔ ایک طرف تو آپ کو خود یونیورسٹی کے اندر یہ تبدیلیاں کرنی ضروری ہیں۔ پھر صنعت و حرفت اور خاص علمی تحقیقات اور کیمیاوی تجربات کے لیے مستقل کامیاب درسگاہیں ہونی چاہئیں۔ جہاں مسلمان طلبا نظری تعلیم کے علاوہ عملی تعلیم اور تقلیدی کے بجائے اجتہادی تعلیم حاصل کریں۔

یہ باتیں نئی نہیں۔ آج ہر مسلمان انہیں بین طور پر محسوس کرتا اور اُن کی ضرورت پر یقین رکھتا ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ زبردست جوش و خروش کے ساتھ عملی اقدام کیا جائے صدر محترم نے اس چیز کو ایک کمیٹی کے سپرد کر دینے کی خواہش کی ہے جو تین ماہرین تعلیم پر مشتمل ہو۔ ہمیں ڈر ہے کہ آج کل کی عام تجاویز کی طرح کہیں مسلمانوں کی تعلیمی اسکیم کی تشکیل کی یہ تجویز بھی نشستند و گفتند و برخاستند کی ہی حد تک رہ کر ختم نہ ہو جائے۔ ضرورت تھی کہ اسکیم پہلے سے تیار کر لی جاتی اور اس اجلاس میں اس پر غور و خوض کر کے اُسے پاس کر دیا جاتا۔ اور اسلامی اداروں میں اُسی کو نافذ کرنے کی موثر کوششیں کی جائیں۔

دوسرا اہم اجلاس جو ۲۹، ۳۰ر دسمبر کو دہلی میں منعقد ہوا "انجمن ترقی اردو" کا "کل ہند اجلاس" تھا۔ جس کے صدر حیدرآباد کے مشہور علم دوست اور علم نواز نواب مہدی یار جنگ بہادر تھے۔ اس میں ہندستان کے ارباب علم و ادب کا خاصہ اجتماع تھا۔ پہلے دن کی نشست اولیں میں خطبات صدارت اور انجمن کی رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی۔ شام کو چیف کمشنر دہلی نے علمی نمائش کا افتتاح کیا جس میں عربی فارسی اور اردو کی نادر مخطوطات۔ پرانے پرانے سکے۔ قدیم مغل آرٹ کے چند نمونے اور بعض پرانے بزرگوں کی دستی تحریریں جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ گذشتہ سال یہیں دہلی میں ادارۂ معارفِ اسلامیہ کے ماتحت اینگلو عربک کالج میں جو علمی نمائش ہوئی تھی، اُس کی طرح اس نمائش کی عمدگی اور خوش سلیقگی کا بھی سہرا پروفیسر حافظ محمود شیرانی، پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال، اور ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کے سر ہے۔ مغرب کے بعد مقالات ہوئے دوسرے دن پہلی اور دوسری نشستوں میں مختلف تجاویز پر بحث ہوتی رہی۔ انجمن نے جو تجاویز پاس کیں وہ سب نہایت مفید ہیں تاہم اُن میں تجویز نمبر ۲۔ ۳۔ ۴ اور ۱۰ نہایت اہم اور ضروری ہیں اور اگر اُن کو عمل میں لانے کے لیے متحدہ جدوجہد کی گئی تو کوئی وجہ نہیں کہ ان میں کامیابی نہ ہو۔ اور اگر یہ کوششیں کامیاب ہوگئیں تو بے شبہ یہ اردو زبان کی عظیم الشان خدمت ہوگی جس سے اُس کو استقرار و دوام حاصل ہوگا

یہ ظاہر ہے کہ تمام تجاویز پر بیک وقت یکساں عمل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً تجویز نمبر ۲ میں دہلی، پنجاب، لکھنؤ، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ وغیرہ میں اُردو کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنانے کی جو تجویز منظور کی گئی ہے اُس پر عمل کرنے کی راہ میں سردست چند در چند دشواریاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم دینے والے اساتذہ میں کثیر تعداد اُن لوگوں کی ہے جو اپنے مضامین کو اُردو کی بہ نسبت انگریزی میں زیادہ آسانی کے ساتھ سمجھا سکتے ہیں۔ اُردو میں کسی علمی مضمون پر لکچر دینے کے لیے تو خود اُردو کی اعلیٰ قابلیت درکار ہے۔ اور وہ ان اساتذہ میں کہاں! پھر یونیورسٹی میں تعلیم پانے والے طلبا میں ایک ہی کلاس میں مسلمان طلبا بھی ہوتے ہیں، اور ہندو بھی، بنگالی بھی اور مدراسی بھی، مرہٹی بھی اور پنجابی بھی۔ پس اگر آپ ذریعۂ تعلیم اُردو کو قرار دیتے ہیں تو جو طلبا اُردو بالکل نہیں جانتے اُن کو اُسی طرح شکایت ہوگی جس طرح آج مسلمانوں کو انگریزی زبان کے ذریعۂ تعلیم ہونے سے ہے، اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے جس کو بالکل صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہیے کہ اگرچہ حیدرآباد کے دارالترجمہ نے یورپین علوم و فنون کی گراں بہا کتابوں کے تراجم شائع کرنے میں بڑی مستعدی اور سرگرمی کا ثبوت دیا ہے، تاہم یہ ذخیرہ ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں کی ضرورتوں کے لیے نہ کافی ہے اور نہ قابلِ اطمینان۔ ان وجوہ کی بنا پر سردست اس تجویز کو عمل میں لانا نہایت دشوار ہے۔ البتہ تجویز نمبر ۱ جس میں اُردو کو ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں میں اُن اختیاری مضامین کا درجہ دینے کی درخواست کی گئی ہے جن میں کامیابی لازمی ہے۔ اب بھی قابلِ عمل ہے۔ اور اگر اس کے لیے سرگرم جد و جہد کی گئی تو کامیابی بھی یقینی ہے۔ اس تجویز کو کامیاب بنانے کے بعد اگر یونیورسٹیوں میں دیانت داری کے ساتھ اس پر عمل ہوتا رہا تو اس سے تجویز نمبر ۲ کے لیے بھی راہ ہموار کرنے میں بڑی مدد ملیگی۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ ان تجویزوں میں فوری طور پر قابلِ عمل ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے جو فرق مراتب ہے اُس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انجمن کا فرض ہے کہ جن تجویزوں کو بغیر کسی تاخیر کے قابلِ عمل ہونے کی وجہ سے تقدم حاصل ہے اُن کو کامیاب بنانے کے لیے اپنی جد و جہد کا آغاز پوری سرگرمی کے ساتھ کر دے کہ یہ وقت اب

آسمان سے من وسلویٰ کے نزول کے انتظار کا نہیں ہے، زمانہ بڑی سرعت کے ساتھ بدل رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غفلت یک لمحہ صد سالہ راہ کے گم کر دینے کا باعث بن جائے اور تلافی مافات کے دروازہ پر محرومی و ناکامی کے قفل پڑ جائیں۔

اس موقع پر یہ گذارش کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اُردو زبان و ادب کی حقیقی خدمت کوئی انجمن اُس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک اُس میں دوسری اسی قسم کی انجمنوں اور اداروں کے ساتھ تعاون و اشتراک کرنے کا مصالحانہ جذبہ نہ ہو۔ یہ کام سب اربابِ علم و ادب کے مل جل کر کرنے کا ہے۔ اس میں خود اپنے کو نمایاں کرنے اور دوسرے اہم اداروں کو نظر انداز کر جانے سے نہ تو اس مقصد میں ہی خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ خود اپنی ذاتی وجاہت و شخصیت کو ہی کوئی خاص فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ حُسن جہاں آرا رونق بزم ہو کر ہی دیدہ و دل سے خراجِ تحسین و ستائش وصول کر سکتا ہے۔ کسی ایک تکنتِ کدۂ غرور و تنہائی میں روپوش ہو کر نہیں۔ عملی دنیا کا یہ ایک ایسا واضح اصول ہے جو "انجمن ترقی اُردو" یا کسی اور مخلص "کل ہند" انجمن سے کبھی نظر انداز نہ ہونا چاہیے۔

حضرت مولانا سید احمد مدنیؒ

ہمیں یہ معلوم کر کے بیحد افسوس ہوا کہ پچھلے دنوں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے برادر بزرگ مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنی جوار نبوی میں ایک عرصۂ مدید کے قیام ہجرت کے بعد پچھلے دنوں رہگزائے عالم جاودانی ہو گئے آں ممدوح کی تعریف میں مختصراً یہ کہنا کافی ہوگا کہ آپ صحیح معنی میں مولانا حسین احمد صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ عادات و اطوار میں اسلاف کرام کا نمونہ تھے۔ آپ کا عظیم الشان کارنامہ مدینہ طیبہ میں ایک شاندار دینی و صنعتی مدرسہ کا قیام ہے جس میں اس بلدۂ مطہرہ کے غریب بچے دینی اور صنعتی تعلیم حاصل کر کے سامان معاد و معاش پیدا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ آں مرحوم کو صدیقین و شہدا کے مراتب عالیہ سے شرف اندوز فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزان ہو۔ رحمہٗ اللہ رحمۃً واسعۃً۔